

پنجاب میں عربی اور دینی علوم

ڈاکٹر محمد طفیل

پنجاب کو تہذیبی اور ثقافتی نقطہ نظر سے بہت ہی بلند مقام حاصل رہا ہے کیونکہ بعض مورخین کا اندازہ ہے کہ سب سے پہلا انسان پنجاب میں دریائے سوان کے کنارے آباد ہوا تھا - (۱) بعض علماء کے اندازے کی مطابقت پہلے یا دوسرے یونانی دور میں انسان اس خطہ میں آباد ہو گیا تھا - اسکے بعد سے اس خطہ میں مسلسل آبادی اور تہذیب و ثقافت کا دور دورہ رہا - ٹیکسلا اور ہڑپہ کی کھدائی میں ملنے والے آثار سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ پنجاب زمانہ قدیم سے تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہا ہے - اسی طرح پنجاب میں عربی زبان اور علوم و فنون کو جو فروغ ملا اس سے بھی انکار ممکن نہیں - کیونکہ اس خطہ میں لاکھوں انسان ایسے پیدا ہوئے جو عربی زبان سے واقف تھے اور ہزاروں نے عربی زبان کی باقاعدہ تعلیم پائی اور پھر ان میں سے کتنے ایسے بھی تھے جو عربی میں اپنی تصانیف یادگار چھوڑ گئے -

صدر اول کی اسلامی حکومت کا یہ عام دستور تھا کہ جب کوئی علاقہ اسکے زیر نگیں آتا تو وہ اسمیں ایک طرف تو انتظامی امور کے لئے حاکم مقرر کرتی اور دوسری طرف عوام کی تعلیم و تدریس کے لئے باقاعدہ قرآء ، حفاظ ، محدثین اور علماء کو بھی اس

علاقے میں متعین کرتی۔ اس طرح سے حاکم و محکوم میں جو ثقافتی روابط قائم ہوتے وہ دین اور عربی زبان کی ترویج و اشاعت کا ذریعہ بنتے۔

یہی وجہ ہے کہ ۹۲ھ - ۱۱م میں جب مسلمان محمد بن قاسم کی قیادت میں فاتح کی حیثیت سے سندھ میں داخل ہوئے، انہوں نے ملتان کو اپنا دوسرا بڑا مرکز بنایا اور لاہور سے آگے جہلم کی پہاڑیوں تک کا سارا علاقہ سلطنت اسلامیہ کی حدود میں داخل ہو گیا تو یہ علاقہ ہندوستان سے ثقافتی اور لسانی طور پر کٹ کر عملاً حکومت اسلامیہ کا حصہ قرار پایا۔

لیکن اس سیاسی الحاق سے پہلے بھی زمانہ نامعلوم سے عرب ہندوستان سے واقف تھے اور دنیائے عرب اور ہندوستان کے تجارتی اور ثقافتی روابط بہت ہی قدیم زمانے سے ہیں۔ حتیٰ کہ قرآن مجید میں بعض ہندی الفاظ کی نشاندہی کی گئی ہے (۲) اس سے بھی آگے سید سلیمان ندوی نے ستیارتھ پرکاش مصنفہ سوامی دیانند کے حوالہ سے لکھا ہے کہ کورو اور پانڈو کی لڑائی میں عربی زبان خفیہ بات چیت کا ذریعہ تھی۔ (۳)

لی بان نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف " تمدن عرب " میں لکھا ہے کہ اسلام سے قبل عرب کے تاجر بری راستے سے پنجاب کے ساتھ تجارت کرتے تھے (۴) جسکی تصدیق چینی سیاحوں کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ اگرچہ پنجاب ساحل سمندر اور آبی راستوں سے دور واقع تھا اسکی باوجود غالب گمان یہی ہے کہ عربوں کے پنجاب سے تعلقات زمانہ قدیم سے استوار تھے۔ البتہ براہ راست رسمی اور لسانی روابط

اسوقت استوار ہوئے جب فاتح سندھ محمد بن قاسم اور ان کا جری لشکر لاہور کو ، جو کہ ایک قدیم شہر ہے اور ہمیشہ سے علوم و ثقافت کا مرکز رہا ہے ، عبور کرتا ہوا جہلم کی پہاڑیوں تک جا پہنچا اور یہی سیاسی روابط تاریخی خطہ پنجاب میں عربی زبان و ادب اور دینی علوم کو پہنچانے کا ذریعہ بنے - (۵)

عرب ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کیا کرتے تھے اور وہ اسے ہند اور سندھ لکھتے تھے - گویا عربوں کی رائے میں سندھ مستقل بالذات ایک ملک اور حکومت تھی - عربوں کا قدیم سندھ موجودہ پنجاب کا بڑا حصہ اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تھا -

سندھ میں عربوں نے جو سیاسی اور ثقافتی مراکز قائم کئے ان میں الرور، دیبل اور منصورہ تو موجودہ سندھ میں قائم ہوئے (۶) جبکہ ملتان پنجاب میں ہے اور خضدار بلوچستان کا حصہ قرار پایا - اس حقیقت سے یہ دو امور عیاں ہوتے ہیں، ایک یہ کہ عربوں نے پنجاب میں ملتان کو اپنا سیاسی ، ثقافتی اور علوم و فنون کا مرکز بنایا ، دوسری سچائی یہ معلوم ہوتی ہے کہ پنجاب میں ملتان کو عربی زبان کا پہلا مرکز بننے کا شرف بھی حاصل ہے - عرب ان جملہ مراکز بشمول ملتان میں عربیت اور علوم کے درس و تدریس کا معقول بندوبست رکھتے تھے - (۷)

اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ سندھ - بشمول اکثر حصہ پنجاب - میں عربوں کے دور حکومت میں سرکاری زبان عربی تھی ، کیونکہ تیسری صدی ہجری (نویں صدی عیسوی) کے بعض کتبے جو بہمبور اور دیگر علاقوں سے دریافت ہوئے ہیں ، نیز

ملتان کی قدیم ترین عمارتوں پر کنداں الفاظ ، ان سب سے شہادت ملتی ہے کہ اسوقت تحریر و تقریر کی زبان عربی تھی - اس امر کی تصدیق ابن حوقل (۸) اور مقدسی (۹) نے بھی کی ہے - اور ان کی شہادت کے مطابق چوتھی صدی ہجری (دسویں صدی عیسوی) میں منصورہ ، ملتان اور دیبل کے بازاروں میں عربی اور سندھی دونوں زبانیں بولی اور سمجھی جاتی تھیں - یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دو زبانوں کے اختلاط سے تیسری زبان پیدا ہو جاتی ہے اس لئے عین ممکن ہے کہ عربی اور مقامی بولی یعنی سندھی کے اختلاط سے سرائیکی زبان پیدا ہوئی ہو جو پنجاب کے ایک بڑے حصے میں بولی اور سمجھی جاتی ہے - اور پھر سرائیکی زبان کے راستے عربی پنجاب کے دیگر حصوں کی زبان پر اثر انداز ہوئی اور ہندی اور فارسی کے خلط ملط ہو جانے سے پنجاب کی بڑی اور وسیع تر حصے میں بولی ، لکھی و سمجھی جانے والی زبان ”پنجابی“ نے جنم لیا ہو - کیونکہ سندھی ، سرائیکی اور پنجابی زبان میں عربی زبان کے الفاظ جس کثرت سے ملتے ہیں وہ ہندوستان کی کسی اور زبان میں نہیں ملتے -

سندھ چونکہ خلافت اسلامیہ کے مرکز سے کافی دور واقع تھا اسلئے اس میں ضعف اور انتشار پیدا ہو جانا ایک قدرتی امر تھا - چنانچہ چوتھی صدی ہجری دسویں صدی عیسوی کے آخری حصہ میں اس انتشار نے انقلاب کی صورت اختیار کر لی اور ملتان میں ایک الگ حکومت قائم ہو گئی، جس کے بعد اگرچہ ملتان اور اسکے زیر اثر علاقوں کا عرب دنیا سے براہ راست رابطہ منقطع ہو گیا

تھا لیکن عربیت کے جس پودے کا بیج اس علاقہ میں بویا گیا تھا ،
وہ اب بڑھ کر کافی تن آور درخت بن چکا تھا ۔

خلافت اسلامیہ کے اس عہد میں زیر نظر علاقہ میں عربی زبان
اور اسلامی علوم متعارف ہو چکے تھے۔ اور ہمیں یقین ہے کہ مسلمان
علماء نے دینی جذبہ اور ملی شعور سے سرشار ہو کر اس علاقہ میں
تصنیف و تالیف کی گرانقدر خدمات سر انجام دی ہونگی ۔ لیکن
افسوس کہ ان علمی خزینوں تک ہماری رسائی نہ ہو سکی اور
دست برد زمانہ سے وہ علمی ذخیرے محفوظ نہ رہ سکے ۔ جیسا کہ
چچ نامہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اسکا اصل عربی متن تو
ضائع ہو گیا اور ہمارے سامنے اسکا صرف فارسی ترجمہ باقی ہے (۱۰)۔
اسی طرح دیگر علمی تصانیف بھی ضائع ہوئی ہونگی ۔

اس عہد میں بغداد کو علمی مرکز کا درجہ حاصل تھا ۔ اسلئے
ان علاقوں کے بہت سے اہل علم ترک وطن کر کے بغداد میں جا
سے (۱۱) اور انہوں نے وہاں ہندوستانی علوم ، ریاضی ، نجوم ،
طب ، فلسفہ اور بلاغت وغیرہ کو متعارف کرایا اور ان علوم و فنون
میں اعلیٰ مقام پیدا کیا ۔ پھر علوم و فنون کی خدمت کرنے والوں میں
وہ موالی بھی شامل ہیں جو جنگی قیدیوں کی حیثیت سے ان
علاقوں سے لے جائے گئے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عرب معاشرے میں
ضم ہو کر رہ گئے اور سازگار فضا ملنے ہی ان میں بلند پایہ شعراء اور
رواۃ حدیث پیدا ہوئے ۔

مختصر یہ کہ اس عہد میں پنجاب نہ صرف عربی ثقافت سے
واقف ہو چکا تھا بلکہ اس میں عربی زبان سرکاری زبان کی حیثیت

سے رائج تھی اور جس قدر علوم و فنون اس وقت تک معلوم ہو چکے تھے ان علاقوں میں ان کی اشاعت شروع ہو چکی تھی اور یہاں سے ابتدائی علم حاصل کر کے علماء اعلیٰ تعلیم و تدریس کے لئے بغداد کا رخ کیا کرتے تھے۔ اور یقیناً جب ایسے اعلیٰ تعلیم یافتہ علماء اپنے علاقوں کو لوٹتے ہوں گے تو ان علاقوں میں علمی چرچے عروج پر ہوتے ہونگے۔ اسطرح پنجاب و عرب تعلقات قائم ہونے اور پروان چڑھتے رہے۔

ان علاقوں کے باشندوں نے عرب حکومت کے ابتدائی مراحل میں ہی مسلمانوں کی ثقافت کو اپنا لیا تھا۔ انہوں نے عربوں کے رسم و رواج، عادات، لباس، حتیٰ کہ ان کی زبان کو جو کہ ازمنہ وسطیٰ میں مہذب دنیا کی بین الاقوامی زبان کا درجہ اختیار کر چکی تھی، ذریعہ گفتگو بنا لیا تھا۔ لباس کے بارے میں بھی خاصہ اثرات دیکھنے میں آئے تھے۔ چنانچہ بارہویں صدی عیسوی میں ادریسی سندھ میں آیا تو اس نے لوگوں کو عربوں کی طسرح شلوار و قمیص اور بعض علاقوں میں چفہ پہنے ہوئے دیکھا۔ (۱۲) نیز ملتان اور منصورہ کی رعایا اپنے حکمرانوں کو عربوں کی طسرح ”امیر“ کہہ کر بکارتی تھی لیکن غیر مسلم ان کو ”مہاراج“ کہتے تھے (۱۳)۔ گویا فاتح اور مفتوح قوم دونوں ایک دوسرے سے اثر قبول کر رہے تھے۔

(۲)

پنجاب میں اسلام کی روشنی دو طرف سے آئی اور اسی طرح اسلامی ثقافت، عربی زبان اور دینی علوم و فنون بھی دونوں

راستوں سے داخل ہوئے۔ پہلا راستہ سندھ سے ہوتا ہوا پنجاب پہنچتا ہے اور دوسرا راستہ صوبہ سرحد کو عبور کرتا ہوا پنجاب میں داخل ہوتا ہے۔

چوتھی صدی ہجری دسویں صدی عیسوی کے ربع آخر میں غزنویوں نے شمال مغرب سے ہندوستان پر یلغار کی۔ ۹۶۳/۲۵۲ء میں البتگین غزنی کا حکمران فوت ہوا تو اس کے عہد میں ہندوستان کی سرحدوں پر چھیڑ چھاڑ شروع ہو چکی تھی۔ اگرچہ غزنی میں اقتدار کے لئے اکھاڑ بچھاڑ جاری رہی تاہم ۳۶۷ھ، ۹۷۶ء میں سبکتگین تخت نشین ہوا اور حکومت کی اصلاح کے ساتھ ساتھ ہندوستان (۱۴) کی حدود کی طرف توجہ کی۔ ان کے مقابلے کے لئے پنجاب کے راجہ جے پال نے لشکر جرار تیار کیا تھا۔ لمغان کے مقام پر جنگ ہوئی جس میں مسلمانوں کا بلہ بھاری رہا اور مصالحت پر لڑائی ختم ہو گئی۔ جے پال نے پھر سرتابی کی اور ہند کے دیگر راجوں کی مدد سے لڑائی کے لئے لشکر تیار کیا۔ اس مرتبہ سبکتگین نے اسے شکست فاش دی اور لمغان سے پشاور تک کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔

سبکتگین کے انتقال کے بعد ۳۸۸ھ۔ ۶۹۹۸ء میں محمود تخت آرائے غزنی ہوا۔ ۳۸۹ھ۔ ۶۹۹۹ء میں اسے خلیفہ بغداد کی طرف سے خلعت اور «امین السطنت یمین الدولۃ» کا خطاب ملا۔ ۳۹۲ھ۔ ۱۰۰۱ء میں محمود برصغیر کی حدود میں داخل ہوا اور اس نے ہندو راجوں کے خلاف مسلسل کئی جنگیں لڑیں۔ (۱۵)

۳۱۳ھ۔ ۱۰۲۲ء تک محمود نے پنجاب کو سلطنت غزنی کے

ساتھ باقاعدہ ملحق کر لیا تھا اور اب یہ سارا علاقہ بلا واسطہ اسلامی سلطنت کا حصہ بن چکا تھا اور شمالی ہند میں لاہور نے ایک اسلامی مرکز کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ اسے علماء، صوفیہ اور مبلغین نے اپنا مسکن بنا لیا تھا، نیز جاگیروں اور ملازمتوں کی خاطر قبیلوں کے قبیلے غزنی، کابل اور بلخ وغیرہ سے منتقل ہو کر پنجاب میں آباد ہونے لگے تھے۔ گویا اس طرح سے پنجاب اسلامی ثقافت اور اسلامی علوم و فنون سے روشناس ہونے لگا تھا اور دینی علوم اور عربی زبان سے یہ پنجاب کا دوسرا رابطہ تھا جو ماوراء النہر اور غزنی کے راستے سے قائم ہوا۔ یہ رابطہ بعد میں اسقدر اہمیت اختیار کر گیا کہ اس علاقہ کو عراق و شام کی وراثت اور ہم سری زیب دیتی تھی۔

سلطان محمود خود بڑا علم دوست انسان تھا۔ سلجوقی اور غوری دور کی تصانیف میں محمود کی علم پروری اور عدل و انصاف پسندی کی بے حد تعریف کی گئی ہے۔ وہ مذہباً سنی تھا۔ اولیاء اور صوفیہ کے ساتھ ساتھ اہل علم کا بڑا ادب کرتا تھا اور علم پھیلانے میں کوشاں رہتا تھا۔ ابو ریحان البیرونی جیسا عالم اسی کے زیر سایہ تحقیق و جستجوئے علمی کے لئے آفاق میں گھومتا رہا۔ اس نے نندنہ جہلم میں بیٹھ کر زمین کا قطر معلوم کیا۔ ابو الفضل، بہیقی، ابو نصر عتبی اور گردیزی جیسے مورخ اسکے منشی اور سیکرٹری تھے۔ شمس الکفایۃ احمد بن حسن المیمندی جیسے نابغور کو اسکی وزارت کا شرف حاصل رہا۔ (۱۶)

۳۲۱ھ - ۶۱۰۳۰ میں سلطان محمود کا انتقال ہوا تو سلطان

مسعود مسند آرائے سلطنت ہوا۔ وہ بھی اپنے والد کی طرح بڑا علم دوست اور عالم نواز شخص تھا۔ اور خود بھی اعلیٰ درجے کا مصنف تھا۔ اسطرح یہ سیاسی خاندان علم پروری بھی کرتا رہا۔ جسکا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں عام طور پر اور پنجاب میں خاص طور پر علمی فضا پیدا ہو گئی۔ انکے علم دوست رویہ سے پنجاب میں مسلمانوں کی آبادی کو بڑھانے میں بڑی مدد ملی۔ نیز اسکے بعد عہد غلاماں میں ہلاکو خان اور چنگیز خان کی تاخت و تاراج کی وجہ سے لوگ ایران، کابل، خوارزم، غور، خیوا، کاشغر وغیرہ سے جان بچا کر بھاگے اور برصغیر کے ان علاقوں میں آ کر بس گئے جنہیں آجکل پنجاب کہا جاتا ہے۔ اسطرح سے اس تاریخی خطہ میں اسلامی علوم و فنون اور عربی زبان راسخ ہو گئی۔

(۳)

غزنوی جب پنجاب میں داخل ہوئے تو انکی دفتری زبان عربی تھی۔ اسکے ساتھ عربی علمی اور ادبی زبان بھی تھی۔ مسلمانوں کا مرکز دربار خلافت بغداد میں تھا جسکی زبان عربی تھی۔ مزید یہ کہ اسوقت تک صرف عربی ہی ایک ایسی زبان تھی جو دفتری زبان ہونے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ اگرچہ غیر عرب ریاستیں وجود میں آچکی تھیں لیکن فارسی یا ترکی زبان کو اس درجہ ترقی نصیب نہیں ہوئی تھی کہ وہ دفتری زبان بن سکتیں۔ یہی وجہ تھی کہ محمود کی حکومت کے دور میں دفتری کاروبار عموماً عربی زبان میں ہوتا رہا۔ محمود غزنوی کا پہلا وزیر ابو العباس فضل بن احمد

اسفرائنی عربی میں مہارت نہیں رکھتا تھا۔ اُس نے فرامین اور مراسلات فارسی میں لکھوانے شروع کئیں۔ لیکن مراسلت کا یہ فارسی طریقہ دیر یا ثابت نہ ہوا اور ابو العباس کا عربی کے خلاف تعصب زیادہ دیر تک نہ چل سکا۔ (۱۷) ابو العباس کے بعد خواجہ احمد بن حسن الیمندی وزیر ہوا تو اس نے مراسلات اور فرامین کی زبان پھر سے عربی قرار دے دی۔ اس سلسلے میں آقائے سعید نفیسی رقم طراز ہیں۔

» به سبب آنکه در عربیت پیاده و بر ما یہ بود۔ امثله و معاشیر دیوانی و مقدمات و احکام سلطانی را فرموده پیارسی نوشتن۔ وزیر احمد حسن اشارت گرداند تا برقرار قدیم و قاعده سالف مقدمات بروایت عربی نویسد «۔ (۱۸)

اس طرح سے پنجاب میں عربی زبان کی جڑیں مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئیں۔ ابو العباس نے دوبارہ وزارت عظمیٰ کا عہدہ سنبھالا۔ اسکے دونوں عہدوں کے مابین ۳۱۶ھ۔ ۱۰۲۵ء تا ۳۲۲ھ۔ ۱۰۳۰ء ابو علی حسن بن محمد بن عباس المعروف بہ «حسنک میکال» وزیر اعظم رہا۔ اسکے دور میں بھی عربی زبان ہی دفتری زبان رہی۔ سلطان محمود خود عربی زبان کا بلند پایہ عالم و فاضل تھا۔ اسلئے اسکے عہد میں یقینی طور پر عربی زبان کو سرکاری اور دفتری زبان کا درجہ حاصل رہا۔

منصورہ کے ساتھ ساتھ ملتان میں شروع سے ہی عربی زبان کو سرکاری زبان کا درجہ حاصل تھا اور غزنویوں کی آمد کے بعد بھی یہی سلسلہ جاری رہا جسکی شہادت ابن الحوقل کے سفر نامے سے

ملتی ہے۔ واضح رہے کہ ابن الحوقل نے چوتھی صدی ہجری کے آخری نصف میں ان علاقوں کا سفر کیا تھا اور وہ لکھتا ہے کہ ملتان اور منصورہ کے لوگ مقامی زبان اور عربی میں گفتگو کرتے تھے۔ (۱۹) البتہ چوتھی صدی ہجری ختم ہوتے ہوتے ملتان میں دیلمیوں کا قبضہ ہو گیا تھا تو وہاں عربی کی جگہ فارسی نے لینی شروع کر دی تھی۔

یہ حقیقت ثابت ہونے کے بعد کہ غزنویوں کے ہاں خواجہ ابو الحسن المیمندی سے لے کر ابو بکر بن صالح تک جو لوگ بھی وزارت عظمیٰ کے عہدے پر فائز ہوتے رہے وہ سب عربی کے عالم و فاضل تھے اور سب نے عربی کو سرکاری زبان کی حیثیت سے قائم رکھا، یہ بات بیان کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کے دیوان انشاء اور اسکے صوبوں کے درمیان جو خط و کتابت ہوتی تھی وہ عربی زبان میں ہی ہوتی تھی اور لاہور جو ہندی محروسہ علاقوں کا دارالحکومت تھا وہاں بھی عربی ہی سرکاری زبان تھی اور مرکزی حکومت کے ساتھ ساری خط و کتابت عربی زبان ہی میں ہوتی تھی۔

چنانچہ دفتری اصطلاحات میں ہم آہنگی پیدا کرنے اور ابہام سے بچنے کے لئے عہد غزنوی میں اصطلاحات کا مفہوم متعین کیا گیا تھا اور اصطلاحات کی ایک طویل فہرست تیار کی گئی تھی جس پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فہرست میں شامل جملہ اصطلاحات عربی ہیں۔ یہی نہیں کہ فارسی کلمات کی جگہ عربی کلمات تجویز کئے گئے تھے بلکہ بعض اوقات مفہوم کو بیان کرنے کے لئے خود عربی کلمات ہی کے مقابل عربی اصطلاحی کلمات مقرر کئے

گئے تھے۔ مثلاً عطاء کی جگہ بذل، حکم کی جگہ قضیہ، آخر کی جگہ عقب، فضولی کی جگہ تطاول، صنیعہ کی جگہ عقار، مراد کی جگہ فرض، اور خراج کی جگہ ضریبہ وغیرہ مقرر ہوئے۔ بہر حال یہ ایک دلچسپ مطالعہ ہے (۲۰) کہ عہد غزنوی میں عربی زبان کی دفتری اصطلاحات کس طرح متعین ہوئیں۔

اس بارے میں یقیناً دو آراء نہیں ہو سکتی ہیں کہ غزنوی دور کے خاتمے تک عربی زبان کے زوال کے آثار نمایاں ہو گئے تھے۔ ابو نصر عتبی نے اپنی تاریخ ”الیمینی“ عربی میں لکھی۔ جبکہ اس کتاب کی زبان بہت نکسالی ہے۔ لیکن ابو الفضل بیہقی نے اپنی مبسوط تاریخ تیس جلدوں میں فارسی میں قلمبند کی۔ اسی طرح گردیزی نے اپنی ”زین الاخبار“ بھی فارسی میں تحریر کی۔

اگرچہ غیر عرب ریاستوں میں غزنویوں کے بعد عربی سرکاری زبان کی حیثیت سے زندہ نہ رہی لیکن علمی اور ادبی میدانوں میں عربی زبان کی جو خدمت غیر عرب یعنی عجمیوں نے کی وہ عربوں کی خدمت سے کہیں زیادہ ہے (۲۱) اسلئے اس خطہ میں عربی علمی اور دینی حیثیت سے ہمیشہ زندہ رہے گی۔

پنجاب میں علوم اسلامیہ اور عربی زبان و ادب کی باقاعدہ تدریس کا سلسلہ غزنویوں کے عہد میں قائم ہو گیا تھا۔ جب محدث اسماعیل (متوفی ۴۳۸ھ) پہلی بار لاہور میں جلوہ گر ہوئے اور انہوں نے وعظ و تبلیغ کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ (۲۲) اور اس کے ساتھ ہی پنجاب میں عربی زبان اور اسلامی ثقافت معیار فضیلت قرار پا گئیں۔ عربیت اور منقول کی

باقاعدہ تعلیم بدستور جاری رہی۔ البتہ مقامی ضروریات کے مطابق کچھ تغیرات ہونے شروع ہو گئے تھے اور عقلی علوم کے ابتدائی مدارج طے ہوتے رہے۔ عربی زبان کا تدریسی مقام تو برقرار رہا البتہ اس دور میں روزمرہ کی بول چال میں پھلوی زبان کی آمیزش ہونے لگی تھی۔

عربی اور پھلوی زبانوں کی باہم آمیزش سے جو نئی زبان ابھری وہ ”فارسی“ کے نام سے متعارف ہوئی۔ اگرچہ علمی تصانیف میں عربی زبان کا بلند مقام ہمیشہ مسلم رہا۔ تاہم شعر و شاعری میں فارسی کو فروغ ملنے لگا تھا۔ لیکن یہ حقیقت بھی کسی سے پوشیدہ نہیں کہ فارسی شاعری کے اوزان، بحرین، قافیے، اصناف سخن، صنائع بدائع وغیرہ سب کے سب عربی زبان سے مستعار لیئے گئے ہیں (۲۳)۔ یہی وجہ ہے کہ نظامی گنجوی نے کاتب یا دبیر کے لئے جو نصاب تجویز کیا (۲۴) اس میں قرآن حکیم، احادیث نبویہ، آثار صحابہ، امثال عرب، کلمات عجم اور مطالعہ کتب سلف کو لازمی قرار دیا۔ جس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ خود فارسی ادباء عربی زبان کو کیا مقام دیتے رہے ہیں۔ نیز عربیت کے تن آور درخت پر فارسیت کی جو بیل چڑھی تھی وہ کس حد تک عربیت کے سہارے کی محتاج تھی؟۔ یہی نہیں تاریخ یمنی کے مصنف کے بقول اس دور میں عربی زبان کو چھوڑ کر فارسی زبان کا استعمال جہل کی علامت تصور کیا جاتا تھا۔ (۲۵) جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صدیوں علمی تصنیف و تدریس میں عربی کا مقام بلند رہا جبکہ فارسی محض تاریخ نویسی اور مجلسی آداب تک محدود رہی (۲۶)۔

جیسے جیسے اسلام پھیلا ، اسکا دائرہ کار وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا اور اسکے مسائل و ضروریات میں اضافہ ہوتا رہا ، تو مسلمانوں نے نقلی علوم میں بھی اضافہ کیا - چنانچہ کتاب و سنت اور آثار صحابہ کے تحقیقی مطالعہ سے استنباط احکام کا عمل تدوین فقہ اربعہ کی صورت میں وقوع پذیر ہوا۔ یہ ضرورت ساری دنیا میں محسوس کی گئی اور اسکی نشوونما میں دیگر بلاد اسلامیہ کی طرح پنجاب نے بھی اپنا حصہ ادا کیا - چنانچہ محمد بن حسن الصاغانی سے لیکر جان محمد لاہوری اور محمد صدیق لاہوری سب اس میدان میں حصہ ڈالتے دکھائی دیتے ہیں - اسکے بعد قضاء کی ضرورتوں میں اضافہ ہوا تو تدریس میں فقہ کو زیادہ جگہ دی جانے لگی لیکن تفسیر و حدیث کو اپنی خاص حیثیت نیز فقہ کے بنیادی مآخذ ہونے کی بناء پر ترک نہیں کیا گیا -

عربیت اور نقلی علوم کے ساتھ تمدن کی وسعت اور تعلقات کی افزائش کے سبب مسلمانوں کو دیگر اجنبی علوم حاصل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی - یہاں تک کہ ہندوستان اور عجم کے خاص عقلی علوم و فنون مثلاً منطق ، فلسفہ ، ریاضی اور ہیئت وغیرہ نے بھی نصاب تعلیم میں جگہ پائی - الغرض عربیت جس میں فارسی کی آمیزش تھی ، منقول جس میں فقہ مقصود بالذات بن چکی تھی ، معقول جسکا نیا نیا چرچا ہوا تھا ، ان تینوں کے علم اٹھائے غزنوی سپاہ اور اہل علم لاہور میں داخل ہوئے اور پھر یہیں سے روشنی لیکر غوری ، اجمیر اور دہلی گئے ، اور یہیں سے یہ روایت حدیث و ے برصغیر میں پھیلی -

اس عظیم خطہ میں درس و تدریس کو ہمیشہ بلند مقام حاصل رہا۔ چنانچہ غیاث الدین بلبن کے عہد میں جو علماء اس مقدس پیشہ سے وابستہ تھے وہ سبھی فقہ، اصول فقہ اور عربیت کے ماہر مانے جاتے تھے۔ (۲۷) مزید یہ معلوم ہوتا ہے کہ ساتویں صدی ہجری تیرھویں صدی عیسوی میں فقہ، اصول فقہ اور عربیت کو غلبہ حاصل ہو چکا تھا۔ اگرچہ عقلی علوم شامل نصاب رہے لیکن ان کی چندان حیثیت نہیں تھی۔ فقہ کے ذوق و شوق کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ فقہ کی مشہور کتاب ”ہدایہ“ برہان الدین محمود بن ابی الخیر المرغینانی (م ۶۸۸ھ - ۱۲۷۹ء) کے ذریعے ہندوستان آئی اور پھر یہاں کی علمی فضا پر اس طرح چھائی کہ سارے معاشرے کو حنفی بنا کر رکھ دیا۔

الثقافة الاسلاميه في الهند (۲۸) کے مصنف کے مطابق آٹھویں صدی ہجری چودھویں صدی عیسوی میں محمد بن تغلق نے عقلی علوم کی سرپرستی میں اضافہ کیا اور اگلی صدی میں پنجاب کے مشہور معقولی علماء شیخ عبداللہ تلمبلی اور عزیز اللہ تلمبلی (۲۹) نے اس علم کو بام عروج پر پہنچا دیا۔ تاہم عربیت اور فقہ و اصول فقہ کی حیثیت مسلم رہی۔

البتہ نویں صدی ہجری۔ پندرھویں صدی عیسوی کے آغاز تک یہ آثار دکھائی دینے لگے تھے کہ معقول کے مقابلے میں منقول کی حیثیت کم ہوتی جا رہی ہے کیونکہ ساتویں صدی کے مشہور پنجابی عالم محمد بن حسن الصاغانی (۶۵۰ھ - ۱۲۵۲ م) کی ”مشارق الانوار“ کے علاوہ اس دور میں حدیث کی کوئی اور کتاب شامل

درس دکھائی نہیں دیتی اور اگر کوئی شخص اس میدان میں بہت ہی ترقی کرتا تھا تو بغوی کی "مصایح السنة" پر اکتفا کر لیتا (۳۰) لیکن نویں صدی ہجری میں حدیث کا مقام اس سے بھی گھٹ کر رہ گیا جب وہ صرف برکت کے حصول کے لئے پڑھی جاتی تھی نہ کہ قانونی ماخذ اور کلید کی حیثیت سے۔ جیسا کہ مولانا عبدالحنی لکھنوی کے الفاظ میں (۳۱) "علی طریقۃ البرکة لا للعمل بہ" ، "حدیث صرف برکت کے حصول کے لئے پڑھی جاتی نہ کہ اس پر عمل کرنے کے لئے"۔ اس کے بعد تیار شدہ فقہ پر بھروسہ کا دور دورہ ہوا اور اس دور میں فقہ کے بنیادی ماخذ حدیث نبوی کی طرف توجہ کم سے کم ہوتی گئی ، اگرچہ اب تک عربیت کی حیثیت برقرار رہی ، لیکن دسویں صدی ہجری میں فارسی کو علمی دنیا میں کچھ نہ کچھ جگہ مل چکی تھی اور عربی کے ابتدائی قواعد اور فقہ کی ابتدائی کتب فارسی میں دستیاب ہو کر شامل درس ہو گئی تھیں۔

اس دور میں بھی تعلیم و تدریس میں عربی زبان کو پہلا اور فارسی زبان کو دوسرا درجہ حاصل رہا (۳۲)۔ حتیٰ کہ اس دور میں پنجاب کے مشہور ادیب اور مصنف و مفسر ابو الفیض فیضی (۱۰۰۴ھ) نے برے نقط تفسیر ، "سوا طع الالہام" لکھ کر عربی زبان کا مقام ہندوستان اور پنجاب کی جملہ زبانوں میں بلند کر دیا اور عربیت کو نہ صرف اپنا مقام قائم رکھنے بلکہ اسے بلند کرنے میں خاصی مدد بہم پہنچائی۔ لیکن اس دور میں عربی زبان کا ایک طرف فارسی سے مقابلہ تھا تو دوسری طرف ترکی اور سنسکرت وغیرہ

بھی اسکے مقابلے میں کھڑی دکھائی دیتی تھیں اور اسکے ساتھ ساتھ معقولات ، فلکیات اور ریاضیات جیسے سیکولر علوم بھی یلغار کر رہے تھے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اکبر کے عہد میں درس و تدریس کے نظام ہی میں تبدیلی آ رہی تھی اور وہ ایک نئی شکل اختیار کر رہا تھا - (۳۳)

اس دور میں اس خطہ ارضی میں شیخ عبدالحق ، شاہ ولی اللہ اور شیخ احمد سرہندی جیسے اصحاب علم و فکر اور عمل کے پیکروں نے لوگوں کے ذہن و عقل کو اسلام کی صحیح اور سچی تعبیر سے واقف کیا جسکے اثرات براہ راست پنجاب پر بھی مرتب ہوئے اور عربیت اور معقولات کو پھر سے فروغ ملنے لگا اور مولانا نظام الدین سہالوی (۱۱۶۱ - ۱۲۳۸) نے ایک نصاب مرتب کیا جو ” درس نظامی “ کے نام سے مشہور ہوا جو وقت کے تقاضوں کے پیش نظر نہایت متوازن تھا - وہ نصاب گیارہ مضامین پر مشتمل تھا (۳۳) جس میں معقولات ، منقولات ، عربیہ اور ہر طرح کے علوم و فنون کو مناسب جگہ دی گئی تھی - یہ درس نظامی نہ صرف پورے ہندوستان میں رائج ہوا بلکہ اسکے فیض یافتہ دنیا کے اکثر خطوں میں اب تک دین کی خدمت میں مصروف نظر آتے ہیں - یہی نصاب پنجاب کے جملہ علاقوں اور مدارس میں زیر تدریس آیا - اور اسکے بعد کے اکثر علماء نے اپنی تصانیف کا دائرہ نصابی کتب کی شروح و حواشی لکھنے تک محدود رکھا - برصغیر میں انگریزوں کی آمد تک درس نظامی بعض ترامیم کے ساتھ پورے پنجاب میں رائج رہا البتہ اسمیں صرف و نحو پر زیادہ زور دیا جانے لگا تھا - جبکہ

عربی ادب کی مقدار کم ہو گئی تھی۔ اسی طرح کلام، حکمت، منطق اور فلسفہ وغیرہ کو زیادہ اہمیت حاصل ہو گئی لیکن تفسیر اور حدیث کو ان کا صحیح مقام حاصل نہ رہا۔ البتہ دارالعلوم دیوبند کے قیام کے بعد سے اس خطہ میں دورہ حدیث کا رواج ہوا۔ جس کے تحت طالب علم صحاح ستہ پڑھ تو لیتا لیکن ان کے مطالب سے واجبی سا واقف ہوتا تھا۔ (۳۵)۔

اس سارے بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ پنجاب میں مسلمانوں کی آمد سے لیکر قیام پاکستان تک عربی کا کیا مقام رہا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ گیارہ بارہ صدیوں پر پھیلے ہوئے اس طویل عرصہ میں جو بھی سیاسی اور اجتماعی تغیرات رونما ہوئے، بیرونی یا اندرونی جو بھی اثرات فضا میں ابھرے وہ عربی زبان و دینی علوم کی مسلمہ حیثیت پر اثر انداز نہ ہو سکے اور یہ ہر دور میں بدستور علم، فضیلت اور ثقافت کی علامت بنے رہے اور ہر عہد میں علم کے حصول کے لئے عربیت بنیادی شرط رہی اور خاص طور پر جہاں دینی علوم ہونگے وہاں عربیت ناگزیر ہے۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول فقہ تک رسائی عربیت کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔ نیز تصوف اور دیگر علوم پر ملکہ کا حصول بھی عربیت کے بغیر متصور نہیں کیا جا سکتا۔

اس سلسلے میں دوسری بات یہ کہی جا سکتی ہے کہ اتنی طویل مدت میں کوئی وقت بھی ایسا نہیں آیا کہ عربی زبان پر عبور حاصل کئے بغیر کوئی شخص عالم، فاضل، مصنف یا تعلیم یافتہ کہلا سکے۔ اور البیرونی کے عقیدے کے مطابق بننے بنائے قصر

کی کلید (عربیہ) ہاتھ میں ہوتے ہوئے نئے مکان کی تعمیر حالات اور عقل دونوں کے تقاضوں کے منافی ہے (۳۶) یعنی عربیت کو چھوڑ کر مقامی زبانوں میں لکھنا اپنے کو محدود کرنے کے مترادف ہے۔ اسپطرح شعوبیہ تحریک سے لیکر قومیت کی جدید تحریکوں تک مسلم اقوام میں عربوں کے خلاف سیاسی جذبہ رقابت تو ابھرا لیکن عربی زبان کے خلاف کم ہی آواز بلند ہوئی۔ پنجاب کی پوری تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ غزنویوں کے بعد اگرچہ یہاں کی سرکاری زبان عربی نہ رہی لیکن دینی اور ثقافتی زبان کی حیثیت سے اسے ہمیشہ بلند مرتبہ حاصل رہا اور جو فاضل مصنف مقامی حدود سے نکل کر اپنی بات پورے عالم اسلام میں پہنچانے کا داعی ہوتا تھا وہ صرف عربی زبان کو ہی ذریعہ اظہار بناتا تھا۔ ایسا کرتے وقت بھی عربیت کا دینی اور لسانی پہلویش نظر رہتا تھا۔ ہم جس خطہ کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں اسکا تعلق عربیہ کے ساتھ دو ذریعوں اور راستوں سے ہوا۔ پنجاب عربی زبان سے پہلی بار سندھ کے راستے سے متعارف ہوا۔ یہ وہ وقت تھا جب اہل عرب میں تصنیف و تالیف کا رواج بہت ہی محدود تھا۔ اور وہ زیادہ تر قوت حافظہ پر اعتماد کرتے تھے۔ لہذا اس دور کی تصانیف تک ہماری رسائی نہیں ہوئی۔ اسلئے ان کے بارے میں کچھ کہنا ممکن نہیں۔

پنجاب عربیت اور اسلامی علوم سے دوسرے طریقے سے اسوقت واقف ہوا جب غزنوی موجودہ افغانستان اور پاکستان کے صوبہ سرحد سے ہوتے ہوئے پنجاب آئے اور اپنے ساتھ بہت سے علماء اور

فضلاء کو لائے۔ اور جب اس خطہ میں تصنیف و تالیف کے لئے حالات سازگار ہوئے تو بیشتر علوم و فنون کی تنقیح و تہذیب ہو چکی تھی اور خاص کر منقولات میں ترقی و اضافہ کی گنجائش بہت ہی کم باقی تھی۔ اسلئے صرف جمع و ترتیب اور بیان و شرح میں ترقی و اضافہ کی قابلیت کے جوہر دکھائے جا سکے۔ چنانچہ اس سلسلے میں الصاغانی نے بہت ہی عمدہ کام کیا اور ”مشارق الانوار“ جیسی بلند پایہ کتاب علم حدیث میں ترتیب دی اور جسکی وجہ سے پنجاب کے خطے کو علمی حلقوں اور طلبائے حدیث میں شہرہ دوام ملا۔ نیز الصاغانی نے موضوع احادیث کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا اور اس سلسلے میں ”درالملتقط فی تبیین الغلط“ کے نام سے ایک قابل قدر کوشش کی۔ فیضی اور دیگر بہت سے علماء نے قرآنی تفاسیر لکھیں۔ پھر فقہ میں حکومتی ضرورتوں کے پیش نظر عہد عالمگیر میں ”فتاوی عالمگیری“ مرتب ہوا تو مولانا محمد اکرم لاہوری نے اسمیں بھر پور حصہ لیا۔ اور بیان کیا جاتا ہے کہ اس ”فتاویٰ“ کی ترتیب میں ایک چوتھائی حصہ کام کی انہوں نے نگرانی کی۔

یہ امر ملحوظ رہنا چاہئے کہ نظام تعلیم میں کتب درسیہ کو غیر معمولی اہمیت اور مرکزیت حاصل رہی ہے۔ پچھلے زمانے میں علماء کا کمال یہ سمجھا جاتا تھا کہ انکی لکھی ہوئی درسی کتب مختصر اور حد درجہ جامع ہوں۔ استاد کو ایسی کتابیں پڑھانے وقت شرح و بسط سے تفسیر کرنا ہوتی تھی جس کی بدولت نصاب میں شامل کتابوں کی شروح مرتب ہوئیں۔ اور حواشی وغیرہ

بھی لکھے جانے لگے۔ پنجاب کے علماء کا بھی یہی حال رہا۔ انہوں نے اس میدان میں بہت سے کمالات دکھائے۔ اور اساسی کتب کی شروح اور حواشی لکھے۔ اس ضمن میں ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کی شروح خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح شیخ ابو یوسف، محمد یعقوب البناتی اللاہوری کی کتب حدیث و فقہ کی شروح سے بھی صرف نظر نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جن کے مطالعہ سے عیاں ہوتا ہے کہ ان کتابوں کا معیار ایران، خراسان، نیز عرب ممالک میں تصنیف شدہ کتب سے کسی طور بھی کم نہیں، یہ کتابیں آج بھی مقبول ہیں اور متعلقہ موضوعات پر تحقیق کرتے وقت ان کتب سے استفادہ کئیے بغیر نہ تو تحقیقی کام مکمل ہو سکتا ہے اور نہ ہی تاریخی تسلسل قائم رہ سکتا ہے۔ ان کتابوں کی حیثیت اسی طرح مسلم ہے جیسے کسی عرب مصنف کی کتاب کی۔ یہ امر بدیہی ہے کہ یہ حیثیت فکری اور علمی میدان میں ہی ہو سکتی ہے جبکہ لسانی پہلو ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ لہذا جمع و ترتیب اور بحث و تدقیق کے میدان میں جو کام ہوئے وہ کسی بھی لحاظ سے کم درجہ کے نہیں ہیں۔

ممکن ہے یہاں یہ نکتہ اٹھایا جائے کہ پنجاب میں ہونے والا کام مقدار میں بہت کم معلوم ہوتا ہے تو اس کے جواب میں کئی باتیں کہی جا سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ پنجاب کے علاقوں میں ابتدائی دور میں جو کام ہوا ہے وہ ہم تک پہنچا ہی نہیں کیونکہ وہ ابھی تک متعارف نہیں ہوا۔ دوسری بات یہ ہے کہ پنجاب ہندوستان میں اسلامی حکومت کے مرکز دہلی سے خاصا دور واقع تھا۔

اسلئے جو پذیرائی دہلی کے علماء کو حاصل ہوئی وہ پنجاب کے علماء کو میسر نہ آسکی۔ جسکی وجہ سے پنجاب سے بہت سے اہل علم ترک وطن کر کے دہلی چلے گئے اور پھر ہمیشہ کے لئے وہیں کے ہو رہے۔ اسکے علاوہ پنجاب پر سکھوں نے بھی طویل عرصہ تک حکومت کی ہے۔ اس دور میں پنجاب کے مسلمانوں پر جو ستم ڈھائے گئے اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے علوم اور کتابوں پر کیا بیتی ہو گی؟۔ اور ان کی علمی میراث کو مٹانے کے لئے کیا کچھ نہیں کیا گیا ہو گا؟۔

اس خطہ میں علم کی جو بھی خدمت ہوئی وہ باہر کی دنیا پر عیاں نہ ہو سکی۔۔۔ اسکی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس علاقے کے بارے میں جو بھی تذکرے لکھے گئے ان میں پنجاب کے علماء کو مناسب مقام نہ مل سکا اور ان کی علمی خدمات کو متعارف نہ کرایا گیا۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اہل علم کی یہ روایت رہی ہے کہ وہ گوشہ نشینی کی زندگی کو ترجیح دیتے تھے۔ اور وہ کنج عافیت میں بیٹھ کر علمی جواہر پارے تصنیف کرتے تھے جو یا تو ان کی وفات کے بعد وہیں ضائع ہو جاتے تھے یا اگر دست برد زمانہ سے بچ جاتے تو خاندانی وراثت قرار پاتے اور طاقوں میں سجرے رھتے اور انکی طباعت کی کبھی نوبت نہ آتی۔ آج بھی اگسر پورے پنجاب کا علمی جائزہ لیا جائے تو ایسی ہزاروں کتابیں ملیں گی جن سے ابھی تک علمی دنیا روشناس نہیں ہو سکی ہے۔

ہم اپنی اس گفتگو کو صاحب تاریخ مخزن پنجاب کے ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں۔ ”مسلمان بادشاہوں کے وقت میں عربی و فارسی

علم کو بہت ترقی ہوئی تھی جو ہندوؤں اور مسلمانوں کو پڑھائی جاتی تھیں۔ - « (۲۷)

حواشی و حوالہ جات -

- ۱- رشید اختر ندوی - مغربی پاکستان کی تاریخ لاہور، مرکزی اردو بورڈ ۱۹۶۵، ص ۶۵
- ۲- بحوالہ تاریخ ادبیات پاکستان و ہند، ج ۲، ص ۱
- ۳- ندوی، سید سلیمان عرب و ہند کے تعلقات احمد آباد، ہندوستانی اکادمی، ۱۹۳۰، ص ۱۰
- ۱۱
- ۳- لی بان، تمدن عرب (ترجمہ سید علی بلگرامی) آگرہ، مطبع مفید عام، ۱۸۹۸ء، ص ۵۰۳
- ۵- اشفاق سلیم میرزا (مدیر) سہ ماہی «ثقافت» (اسلام آباد) ج ۱، ش ۲ فرید الدین شیرکوٹی ص ۶۱
- ۶- حامد محمود (مدیر) تاریخ ادبیات پاکستان و ہند لاہور جامعہ پنجاب، ج ۲، ص ۳
- ۷- عربیت یہ لفظ اپنے وسیع تر مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے۔ جس سے مراد عربی زبان کے ساتھ ساتھ عربی ثقافت اور عرب تعلقات وغیرہ ہیں۔ عربوں سے علوم کے علاوہ جو کچھ دنیا کے اس خطہ میں منتقل ہوا اس اصطلاح سے وہ سبھی کچھ مراد ہے۔ جبکہ علوم کا تذکرہ علیحدہ بھی ہوتا رہے گا۔
- ۸- ابن حوقل، کتاب صورة الارض، لائیدن مطبع بریل ۱۹۳۸ (دوسرا ایڈیشن) ص ۳۲۵
- ۹- مقدسی۔ احسن التقاسیم، لائیدن، ۱۹۶ ص ۲۷۹
- ۱۰- الکوفی علی بن حامد بن ابی بکر جعج نامہ، (فتح نامہ سند) اسلام آباد، ادارہ تاریخ و ثقافت ۱۹۸۳، ص ۸
- ۱۱- البيروني، كتاب الهند كتاب البيروني تحقيق مالهند، حيدر آباد، دائرة المعارف العثمانية؛ ۱۳۷۷ھ ص ۲۸
- ۱۲- بحوالہ تاریخ ادبیات پاکستان و ہند، ج ۲، ص ۳۷
- ۱۳- عتبی، تاریخ یمنی لاہور، مطبع نامی، بغیر تاریخ، ص ۱۳۳
- ۱۴- عتبی تاریخ یمنی - لاہور مطبع نامی پریس ص ۱۷ - ۱۲ - ۲۵
- ۱۵- عتبی، تاریخ یمنی مطبع نامی پریس، ص ۱۳۳
- ۱۶- سلطنت غزنویاں (استاذ خلیلی) ص ۲۸۳ - ۲۸۶
- ۱۷- سلطنت غزنویاں - ص ۲۸۳
- ۱۸- در پیر امون تاریخ بیہقی - ص ۱۴۱ - ۱۴۲
- ۱۹- ندوی، ابو ظفر تاریخ سندھ اعظم گڑھ، ندوۃ المصنفین، ۱۳۶۶ھ
- ۲۰- تفصیل کے لئے دیکھئے -
- (الف) علی اصغر پارسی نغز (ب) در پیر امون تاریخ بیہقی ۱۰۰۵ - ۱۰۱۳

- (ج) تاریخ ادبیات پاکستان و ہند، ج ۲، ص ۴۰-۴۶۔
- ۲۱- ابن خلدون نے اس موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے۔ اس کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔ «من الغریب الواقع جملة علوم فی الملة الاسلامیة اکثرهم العجم لا من العلوم الشرعیة ولا من العلوم العقلیة الا فی القلیل النادر»۔ ((مقدمہ - ۵۳۳ طبع مصر)
- India, s Contribution to the study of Hadith Literature**
Dakka, Dakka University, 1956.
- ۲۲- ڈاکٹر محمد اسحاق، ص ۳۵-۳۶
- ۲۳- تفصیل کے لیے دیکھئے شبلی کی «شعرالعجم» اور ڈاکٹر داؤد پوتا کی تصنیف «عربی زبان کے فارسی پر اثرات»۔
- ۲۴- چہار مقالہ (تحقیق ڈاکٹر معین) ص ۲۲ (تہران تیسرا ایڈیشن)
- ۲۵- تاریخ یمنی - ص ۲۰
- Contribution of Sub - Continent to Arabic Literature**
Lahore, Sheikh Muhammad Ashraf.
- ۲۶- زبیر احمد، ص ۳۵-۳۶۔
- ۲۷- عبدالحنی رائے بریلوی نزہۃ الخواطر وبہجۃ السامع و النواظر - کراچی - نور محمد اصبح المطابع، ۱۹۶۶ م ج ۱ (المنۃ السابعة)
- ۲۸- عبدالحنی رائے بریلوی، الثقافة الاسلامیہ فی الہند، دمشق ۱۹۵۸ - ص ۱۳-۱۳
- ۲۹- تلبہ، تاء کی زبر، لام کی پیش نون ساکن، یا اللہ کی زیر اور آخری ہاء ساکن، یہ اس چھوٹی سے قصے کا تلفظ ہے جو ضلع ملتان میں واقع ہے۔ اب بھی اسی نام سے پہچانا جاتا ہے۔ مذکورہ دونوں بھائیوں کی بدولت اس قصہ کو اسلامی دنیا میں شہرت دوام ملی۔
- ۳۰- ڈاکٹر محمد اسحاق مطالعہ حدیث میں ہندوستان کا حصہ - ڈھاکہ، ڈھاکہ یونیورسٹی ۱۹۵۶ - ص ۴۵-۴۶
- ۳۱- عبدالحنی رائے بریلوی الثقافة الاسلامیہ فی الہند دمشق ۱۹۵۶ - ص ۱۳ Law—N.N
- Promotion of Learning in India during Mohammedan Rule**
London. 1961
- ۳۲- اس کتاب میں مختلف مقامات پر اس مفہوم کی عبارت درج ہے۔
- ۳۳- ابو الفضل العلامی، آئین اکبری لکھنؤ، مطبع نول کشور ۱۸۸۲ - ص ۲۰۲
- ۳۴- ندوی، مولوی ابو الحسنات، «ہندوستان کی قدیمی اسلامی درسگاہیں لاہور، مکتبہ خاور، ۱۹۶۹»۔ ص ۹۸-۹۸
- ۳۵- اس اصطلاح سے عام طور پر حدیث نبوی کی چھ مشہور کتب - صحیح بخاری - صحیح مسلم - سنن ابی داؤد - سنن نسائی - جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ مراد لی جاتی ہیں۔
- ۳۶- ظہر الاسلام (قاہرہ، ۱۹۶۲) ج ۱ - ص ۲۸۹
- ۳۷- غلام سرور لاہوری مفتی، تاریخ مخزن پنجاب لاہور ۱۸۸۶ - ص ۱۲